بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

دنیا کا ہر نظام چند اساسی تصوّرات اور بنیادی اصولوں پر قائم ہوتا ہے جنہیں اس نظام سے کسی صورت بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یُوں تو اسلام کے پورے نظام کو تسلیم کرتا ہوں مگر توحید، رسالت اور آخرت کی جوابدہی کو ماننے کے لیے تیار نہیں تو اس شخص کے فاترالعقل ہونے میں کیا شک کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یُوں تو اشتراکی نظام کو صحیح سمجھتا ہوں، اور اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہوں کہ یہی انسانی دکھوں کا واحد حل ہے، مگر اس کے ساتھ میں اللہ اور اس کے رسول پر بھی ایمان لاتا ہوں اور اسلام کے نظامِ اخلاق کو بھی درست سمجھتا ہوں تو اس کے اس دعویٰ کو کسی صحیح الذہن شخص کا دعویٰ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر نظام اپنے اساسی تصوّرات کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے اصول اور ضابطے، اس کے اخلاقی معیارات، اس کے خوب و ناخوب کے پیمانے، اس کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی ڈھانچے سب اُن اساسی تصورات کے مختلف عکس ہوتے ہیں اور ان سب میں ایک مقصدی ربط اور معنوی ترتیب پائی جاتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا کر کے اپنایا نہیں جا سکتا۔

جو لوگ اشتراکیت کے بنیادی افکار اور اس کے مزاج اور اس کے انسانِ مطلوب سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ اشتراکیت کی پوری عمارت خدا کے انکار، وحی و الہام کے انکار، آخرت کی بازپرس کے انکار، یا دوسرے لفظوں میں کفر و الحاد پر قائم کی گئی ہے اور اسے دنیا میں مسلط کرنے کے لیے ایک ہی راستہ تجویز کیا گیا ہے اور وہ ہے ظلم و تشدد اور جبر و استبداد

کا راستہ۔ چنانچہ آپ دیکھیے کہ جب کسی ملک میں اشتراکی تحریک سر اٹھاتی ہے تو خواہ اشتراکیت کے علمبردار زبان سے خدا کا انکار نہ کریں مگر اس کے جنم لینے کے ساتھ ہی خدا سے بغاوت، مذہبی تعلیمات کا استخفاف اور اخلاقی اقدار سے انحراف کا ایک عام رجحان بڑی سرعت کے ساتھ بڑھنے لگتا ہے۔ آپ کسی ایسے ملک یا خطۂ ارضی کی نشاندہی نہیں کر سکتے جہاں اشتراکیت کے زور پکڑنے کے ساتھ لوگوں نے اللہ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا ہو، یا ان کے دل میں مذہبی تعلیمات کا احترام پیدا ہوا ہو، یا انہوں نے اخلاقی ضابطوں کی پابندی کی کوشش کی ہو، یا انہوں نے زور زبردستی کے بجائے رائے عام کی تائید سے اپنے تجویز کردہ نظام کو قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا ہو۔

ایک سوال بار بار ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ آخر کفر و الحاد اشتراکیت کا جزوِ لاینفک کیوں بن گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا ہر وہ نظام جس میں خوب و ناخوب کا معیار مادی فلاح و بہبود ہو گا وہ لازمی طور پر ملحدانہ نظام ہو گا۔ یہ کفر و الحاد اشتراکیت کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ سرمایہ داری میں بھی اس کی روح جاری و ساری ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس یہ ہے کہ پیدائشِ دولت اور تقسیم دولت مذہبی ضابطوں سے آزاد ہو، اور ہر اُس کام کو جائز اور برحق سمجھا جائے جس سے کسی معاشرے کی دولت میں اضافہ کیا جا سکے اور ہر اُس کام کو ناجائز قرار دیا جائے جو دولت کے اضافے میں حارج ہو۔ مذہب کے خلاف بغاوت اور انحراف کا یہ پہلا قدم تھا جس سے سرمایہ داری کی ابتدا ہوئی۔ پھر جوں جوں سرمایہ داری کو فروغ حاصل ہوا اُسی نسبت سے عوام پر سے مذہب کی گرفت کمزور ہوتی گئی۔ پہلے تو لوگوں نے مذہب کو معیشت کے دائرے سے خارج کیا۔ معاشیات اور سیاست میں چونکہ گہرا تعلق ہے اس لیے بعد میں سیاست بھی اس کے اثرات سے آزاد ہو گئی اور یورپ میں لادینی ریاستیں قائم ہونے لگیں۔ آگے چل کر معاشرت کے دائرے سے مذہب کو نکالا گیا۔ اجتماعی زندگی کے سارے دائروں سے نکلنے کے بعد مذہب کے لیے ایک ہی جائے پناہ رہ گئی تھی کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق کی حیثیت سے زندہ رہے۔ مگر وہ انسان جو دولت پرستی اور قوم پرستی کے جنون میں گرفتار تھا وہ آخر اسے اپنی ذاتی زندگی میں کس طرح یکسوئی اور اخلاص کے

ساتھ اپنا سکتا تھا، اور جس مذہب کو وہ اپنی اجتماعی زندگی کے لیے بالکل بیکار سمجھتا تھا اس سے اپنی انفرادی زندگی میں کس طرح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی انفرادی زندگی میں بھی اس بوجھ کو برداشت کرنا پسند نہ کیا۔

اشتراکی نظام دراصل سرمایہ داری ہی کی ایک زیادہ ترقی یافتہ اور منظم اور ہمہ گیر صورت ہے۔ اس وجہ سے اس میں کفر و الحاد بھی زیادہ قوت کے ساتھ کارفرما ہے۔ اس نے مذہب کو مختلف دائروں سے رفتہ رفتہ خارج کرنے کے بجائے یک لخت خارج کر دیا ہے اور نہایت واضح الفاظ میں اس امر کا اظہار و اعلان کیا ہے کہ اس کے نظام میں خدا اور مذہب کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ جو لوگ اس نظام میں خدا کے تصوّر اور مذہبی اخلاق کی باتیں کرتے ہیں وہ یا تو انتہائی سادہ ہیں یا پرلے درجے کے عیار ہیں اور محض سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

آپ پاکستان کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے ملحدانہ مزاج کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

اس ملک میں جس رفتار سے سرمایہ داری کو فروغ ہوا اسی رفتار سے مذہب کے خلاف تحریک نے زور پکڑا اور یہاں کے بڑے بڑے سرمایہ داروں نے اس تحریک کی سرپرستی کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے اصول اور ضابطوں سے آزاد ہو کر ہی وہ اپنی مرضی کے مطابق لوٹ کھسوٹ کر سکتے ہیں۔ اسلام نے پیدائشِ دولت، تقسیمِ دولت اور صرفِ دولت کے جو اصول دیئے ہیں، مزدور کے جو حقوق متعیّن کیے ہیں اور زرداروں پر جو معاشرتی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان کی پابندی کرنے سے نہ تو ان کے پاس دولت کے انبار جمع ہو سکتے ہیں نہ غریبوں کو ظلم و استبداد کا تختۂ مشق بنایا جا سکتا ہے اور نہ عیاشیاں کی جا سکتی ہیں۔ آخر کار پاکستان کے عوام کے سامنے جب سرمایہ داری کی تباہ کاریاں عیاں ہونے لگیں اور ان سے بچنے کے لیے لوگوں میں یہ احساس اُبھرنے لگا کہ یہاں جلد از جلد اسلامی نظام قائم ہونا چاہیے کیونکہ یہی نظام انہیں سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں سے بچا کر ان کی اجتماعی زندگی کو عدل و انصاف کی بنیاد پر

اُستوار کر سکتا ہے، تو اس خطرے کو بھانپ کر فوراً ہی سرمایہ داروں کے اندر شدید ہلچل پیدا ہوئی اور انہوں نے اسلامی نظام کی ذمہ داریوں اور اخلاقی پابندیوں سے خوفزدہ ہو کر اشتراکیت کا نعرہ بلند کر دیا۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اشتراکیت ان کے لیے کسی طرح بھی گھاٹے کا سودا نہیں۔ معاشی میدان میں انہیں جو وسیع تجربہ حاصل ہے اسی کی بنیاد پر وہ اشتراکی سماج میں بھی کسی اُونچے مقام پر فائز ہوں گے اور کارخانوں اور منڈیوں میں وسیع اختیارات کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ فوج، پولیس اور ملک کی انتظامیہ بھی ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ پھر کسی مزدور، کسان یا ملازم میں یہ جراُت نہ ہوگی کہ ان کے کسی اقدام پر حرف گیری کر سکے، کیونکہ اشتراکی نظام میں اس قسم کی حرف گیری "عوام دشمنی" تصور کی جاتی ہے اور جو لوگ اس قسم کی مجنونانہ جسارت کرتے ہیں ان کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اِس طرح سرمایہ داری ترقی کر کے جب اشتراکیت کا رُوپ دھارتی ہے تو اس کی ساری خامیاں اور ریشہ دوانیاں منظم اور مربوط صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ اشتراکیت کو جو ریاستی سرمایہ داری کہا جاتا ہے اُس کی وجہ بھی یہی ہے کہ سرمایہ داری میں جو کام افراد اور گروہ چھوٹے پیمانے پر کرتے ہیں وہی کام یہ افراد اور گروہ تختِ اقتدار پر متمکن ہو کر حکومت کے پورے وسائل کی قوت سے نہایت وسیع پیمانے پر سرانجام دیتے ہیں۔

اِن صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں جس انداز سے اشتراکیت کے اندر غیر معمولی وسعت اختیار کرتی ہیں اُن کی نشاندہی کی جاسکے۔ ہم یہاں مذہب کے بارے میں ان دونوں کے اندازِ فکر کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ہم پہلے اس حقیقت کو بیان کر چکے ہیں کہ سرمایہ داری نے کس طرح مذہب کو انسان کی زندگی سے خارج کیا۔ یہ اخراج کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ زندگی کے میکانکی تصور کا فطری نتیجہ تھا۔ دورِ جدید کی سائنسی ایجادات نے انسان کے ذہن پر مادہ کی بالادستی کا نقش ثبت کر دیا۔ جدید انسان مادی ترقی سے متاثر ہو کر یہ سمجھ بیٹھا کہ اس کائنات کی علتِ اولیٰ معاذاللہ مادہ ہے۔ یہاں جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے محض مادہ کی کرشمہ سازی ہے۔ اِس مادی کائنات کے ماوراء کوئی ارفع و اعلیٰ روحانی

نظام نہیں۔ خدا، وحی، حشر و نشر اور آخرت سب اوہام ہیں۔ انسان کے لیے اخلاق کا کوئی ایسا لگا بندھا ضابطہ نہیں جس کا سر چشمہ وحی اور الہام ہو۔ ہر دور کے مادی تقاضے اخلاقی اقدار متعین کرتے ہیں۔ یہ مادہ پرستانہ نظریات یورپ میں سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ پھیلتے چلے گئے۔ مگر کسی کو ان کے بالجبر ماننے پر مجبور نہ کیا گیا۔ جن لوگوں نے مادی تصورِ حیات کے ساتھ ساتھ روحانیت کو بھی کسی حد تک اپنانے کی کوشش کی، اجتماعی اداروں نے ان سے براہِ راست تعرض نہ کیا۔ مگر جب سرمایہ داری اشتراکیت کی صورت میں منظم ہو کر سامنے آئی تو پھر بڑے واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا جانے لگا کہ جو آدمی اشتراکیت کا حامی ہے وہ خدا کا پرستار نہیں بن سکتا۔ خدا اور مذہب کے بارے میں یہ خیالات سرمایہ داری میں بھی پھیلاتے جاتے رہے تھے، مگر انہیں معاشرے میں رہنے کے لیے اساسی تصورات کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر کبھی زور نہ دیا گیا تھا۔ اشتراکیت نے ان نظریات کو جبر کے ساتھ لوگوں سے منوایا اور صاف طور پر اعلان کیا کہ جو لوگ انہیں نہیں مانتے وہ کبھی سچے اشتراکی نہیں بن سکتے۔ ہم ان صفحات میں اس حقیقت پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

انگلستان میں ایک مخصوص قسم کے نظامِ حیات کی حیثیت سے سوشلزم کی اصطلاح سب سے پہلے ایک مفکر اووِن (OWEN) نے استعمال کی تھی۔ اس نے ۲۱ اگست کو یعنی روس میں اشتراکی انقلاب سے پورے سو برس پیشتر، ایک صدارتی خطبے میں نہایت واضح الفاظ میں اور پورے زور سے کہا:

"نہ صرف یہ کہ میں خود عیسائی نہیں ہوں بلکہ مذہب کو تمام انسانی دکھوں کا منبع سمجھتا ہوں[1]"۔

پھر چونکہ مذہب سے انحراف کا طبعی نتیجہ اخلاقی حدود سے بغاوت ہے، اس لیے اووِن نے ایک طرف شخصی ملکیت کی مخالفت کی تو ساتھ دوسری طرف نکاح اور خاندانی نظام پر

[1] LEGITIMACY VERSUS INDUSTRIALISM, BERTRAND RUSSELL, P 165

بھی شدید حملے کیے اور انہیں نقصان دہ معاشرتی ادارے قرار دیا۔

روس میں اشتراکی انقلاب کا سب سے بڑا علمبردار لینن اپنے خط میں میکسیم گورکی کو لکھتا ہے:

"خدا کی تلاش کا مشغلہ وقتی طور پر ترک کر دینا چاہیے۔ آخر ایسی چیز کی تلاش کا کیا فائدہ جو موجود ہی نہیں۔ جب تک تم بوتے نہیں فصل کس طرح کاٹ سکتے ہو؟ تمہارا کوئی خدا نہیں، تم نے ابھی تک اُس کی تخلیق نہیں کی، خدا تلاش نہیں کیے جاتے بلکہ تخلیق کیے جاتے ہیں۔

خدا کی تلاش، تعمیرِ خدا، تخلیقِ خدا یا تدوینِ خدا کے عمل سے اسی طرح مختلف ہے جس طرح کہ زرد شیطان نیلے شیطان سے مختلف ہو"

ایک دوسرے مقام پر مذہب کے بارے میں اپنے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے لینن لکھتا ہے:

"ہم کلیسائی نظام کا مکمل انہدام چاہتے ہیں تاکہ مذہبی تصورات کی دُھند کا ہم نظریاتی بنیادوں پر مقابلہ کر سکیں۔ جدید طبقاتی شعور سے بہرہ مند کارکن، جس نے وسیع و عریض کارخانوں کی فضا میں پرورش پائی ہے، اور جو شہری زندگی کی آسائشوں سے متمتع ہو رہا ہے، وہ مذہبی تعصبات کو پائے حقارت سے ٹھکراتا ہے۔ جنّت کا کام اس نے پادریوں اور تنگ نظر سرمایہ داروں کو سونپ دیا ہے اور وہ خود اس دنیا میں بہتر اور شادکام زندگی کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ آج کا مزدور اشتراکیت کا علمبردار ہے۔ وہ اشتراکیت جو مذہب کی دُھند کے خلاف سائنس کی قوت کے ساتھ نبرد آزما ہے اور مزدوروں کو زندگی بعد موت کے عقیدے سے نجات دلا کر انہیں اِس دنیوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے تیار کرتی ہے"

لینن نے پھر اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ ایک اشتراکی مذہب کو خدا اور بندے کے مابین ذاتی رشتے کی حیثیت سے بھی اپنا نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ اسی مضمون میں صاف طور پر کہتا ہے:

"جہاں تک اشتراکی مزدوروں کی جماعت کا تعلق ہے اس کے لیے مذہب ذاتی معاملہ

بھی نہیں ہو سکتا۔ ہماری پارٹی طبقاتی شعور رکھنے والے ترقی پسند بہادروں پر مشتمل ہے جو مزدور طبقے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ایسی جماعت جو طبقاتی شعور رکھتی ہے، جہل یا مذہبی عقائد کی تنگ نظری میں آخر کس طرح گرفتار رہ سکتی ہے۔"

مذہب دشمنی اشتراکی جماعت کا امتیازی نشان ہے، اِس بنا پر مزدوروں کی اس سرکاری جماعت میں اشتراکی حکومت یا انتظامیہ کو مذہب کی پرچھائیں سے دُور رکھا جاتا ہے۔ البتہ عوام کالانعام کو، جو کمیونسٹ نہیں ہیں، اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے نجی دائرے میں اگر کسی مذہب کو اختیار کرنے پر مُصر ہوں تو کر لیں، بشرطیکہ مذہب کے ساتھ ان کا تعلق اجتماعی معاملات میں کسی طرح اثر انداز نہ ہونے پائے۔ مگر اس کے ساتھ لینن صاحب کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ "یوں اصولی طور پر اشتراکی منکرِ خدا اور دہریہ ہی ہوتا ہے۔"

اشتراکی نظام میں عوام کو اگر وقتی طور پر اپنی ذاتی زندگی میں مذہب کو اپنانے کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ مذہبی رواداری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اِس "فیاضانہ طرزِ عمل" کی وجہ یہ ہے کہ جو تصورات ان کے ذہنوں میں صدیوں سے رچے بسے ہوتے ہیں اُن پر یکبارگی حملہ کر دینے سے کہیں وہ آمادۂ بغاوت نہ ہو جائیں اور عزمِ راسخ کے ساتھ اُن تصورات کی حفاظت اور پاسبانی نہ شروع کر دیں جنہیں اشتراکیت مٹانا چاہتی ہے۔ لینن صاحب اپنے کارندوں کو ان الفاظ میں نصیحت کرتے ہیں۔

"اشتراکی پارٹی اس بات کے لیے جدوجہد کر رہی ہے کہ مزدوروں کو مذہبی تعصبات کے چنگل سے نجات دلائے، اس کام کے لیے مذہب کے خلاف ذرائع نشر و اشاعت کو پوری طرح کام میں لائے اور سائنسی علم کو پھیلائے۔ مگر اس کام کو سرانجام دیتے وقت یہ احتیاط لازم رہے کہ مذہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح نہ ہونے پائیں کیونکہ اس سے مذہبی تعصب تقویت پکڑ سکتا ہے[1]۔"

---

[1] لینن کے یہ اقتباسات اس کی کتاب LENIN ON RELIGION سے لیے گئے ہیں جو ۱۹۶۶ء میں دوسری مرتبہ ماسکو سے شائع ہوئی ہے۔

وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت پسے ہوئے مزدوروں اور ستم زدہ اور مفلوک الحال عوام کے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لیے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں انسانیت کے بہی خواہوں نے اس صنعتی دَور میں مزدور کی زبوں حالی اور سرمایہ داروں کے جبر و استبداد پر خون کے آنسو نہ بہائے ہوں اور اُن کھلے اور چھُپے مظالم پر صدائے احتجاج بلند نہ کی ہو جو اس ظالمانہ نظام کے تحت بے بسوں اور کمزوروں پر ڈھائے جاتے ہیں۔ پھر ظالموں کو ان کے ظلم سے باز رکھنے اور مفلوک الحال طبقوں کے افلاس کو دُور کرنے کے لیے کئی ایک جامع منصوبے بھی پیش کیے گئے۔ اشتراکیت کے علمبرداروں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ انسانیت کے ان سچے خیر خواہوں کا مذاق اُڑایا، اُن کے افکار کی تذلیل کی اور ان کی تجاویز کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

یوں تو اس سلسلے میں متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ہم روس کے ایک اہلِ دل ادیب ٹالسٹائی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس شخص نے جس گہرے سوز اور ادبی حسن کے ساتھ غریب اور پسے ہوئے طبقوں کے مصائب کا تذکرہ کرکے انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے اُس کی نظیر کسی اشتراکی کی تخلیقات میں نہیں مل سکتی۔ مگر چونکہ یہ شخص خدا کا قائل تھا اور مذہبی احساسات رکھتا تھا اس لیے اس کے تصورات کو مجذوب کی بڑ سمجھ کر یکسر نظر انداز کیا گیا۔ روسی ٹالسٹائی کو "خدا کا ایک عظیم متلاشی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں مگر لینن اس کا استخفاف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے بارے میں اس نوعیت کے القاب شروع سے آخر تک جھوٹ پر مبنی ہیں، کیونکہ کوئی آزاد خیال روسی ٹالسٹائی کے خدا کو ماننے کے لیے یا اس نے معاشرتی حالات پر جو تنقید کی ہے اُسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

صحیح بات یہ ہے کہ اشتراکیت بدحال مزدوروں اور مفلوک الحال عوام کی فلاح و بہبود کی کوئی تحریک نہیں ہے بلکہ سرمایہ داری نے مادّہ پرستی کے جس رجحان کو شروع کیا تھا اُسے آگے بڑھانے اور پوری زندگی پر محیط کر دینے کی ایک منظم کوشش ہے۔ خود پاکستان میں دیکھ لیجیے۔ پہلے سرمایہ داری کے فروغ کے ساتھ کفر و الحاد کو ترقی ہوئی، اور اب اشتراکیت کے پھلنے پھولنے کے ساتھ اسلام کے خلاف مختلف

قسم کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ کہیں مذہبی طبقے کا نام لے کر اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے کہیں معاشی اور معاشرتی تقاضوں کا تذکرہ کرکے اسلام کے ضابطوں کو پس پُشت ڈالنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ کبھی عقلیت اور روشن خیالی کی آڑ میں ملحدانہ خیالات کا پرچار کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں بھاشانی اکیڈیمی ملتان نے "سماج کا ارتقاء" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے دیباچے میں ایک صاحب نے کہا ہے کہ "یہ کتاب ہر سیاسی کارکن کو عموماً اور ان لوگوں کو خصوصاً پڑھنی چاہیے جو پاکستان میں سوشلسٹ معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اور جو سوشلزم کو نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیا کے مسائل اور مشکلات کا واحد حل تسلیم کرتے ہیں"۔ اب ذرا مذہب کے بارے میں بھاشانی اکیڈیمی سے شائع ہونے والی اس تصنیف کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو۔ خدا کے متعلق مصنّف کا خیال یہ ہے کہ قدرت کے مقابلے میں انسان کی بے بسی نے اسے جنم دیا، چنانچہ وہ خدا کے وجود پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عہدِ بربریّت میں انسان کا اقتدار نیچر کی قوتوں پر کسی قدر بڑھا۔ گلّہ بانی اور زراعت کو ترقی ہوئی تو اس کا اثر مذہبی تصورات پر بھی پڑا۔ اب نیچر اس کی زندگی پر صرف درختوں وغیرہ کی شکل میں اثر انداز نہیں تھی بلکہ اب وہ بارش، دھوپ دریاؤں وغیرہ کی مہربانی کا بھی محتاج تھا۔ بغیر بارش کے کاشت ناممکن تھی۔ بغیر اچھی دھوپ کے فصلیں پک نہیں سکتی تھیں اور اس لیے اب اس نے ان قوتوں سے بھی ڈرنا شروع کیا اور ان کو خوش کرنے کے لیے بھی مذہبی تقاریب ہونے لگیں۔ ان کی پُوجا بھی مذہب میں داخل ہو گئی اور اس دور میں انسانی عقل و فہم نے کسی قدر ترقی کی تو اس نے نیچر کی ہر ایک نمایاں قوت کو ایک خدا یا دیوتا کا تصوّر دیا اور اس کی مورتیاں بنا کر اس کی پُوجا کی جانے لگی۔ قدیم ہندو مذہبی فلسفہ یا یونانی اور مصری اصنام پرستی ان ہی ابتدائی مذاہب کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں[1]"

عبادت کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ ہو:

"انسانوں کو اصل مسائل سے ہٹانے کے لیے بے شمار اور بڑے ہی پیچیدہ طریقے نکالے

[1] صفحہ ۳۵-۳۶

گئے تاکہ وہ اپنی مصیبتوں کے متعلق نہ سوچ سکیں اور اس کا ذمہ دار انسان کو نہ سمجھنے لگیں۔ بادشاہوں اور امیروں کے لیے ہر چیز جائز تھی۔ شراب نوشی اور عیاشی پر انہیں نہیں ٹوکا جا سکتا تھا۔ اس لیے کہ انہیں تو اس کی سزا دوسری دنیا میں ملنے والی تھی۔ امیر آدمی کسی غریب کو قتل کروا دیتا تو اس کی سزا دوسری دنیا کے لیے اٹھا رکھی جاتی۔ لیکن معمولی آدمی کو معمولی سی غلطی کی بھی سزا اسی دنیا میں بھگتنا ضروری تھی۔" (صفحہ ۳۹)

آخر میں ان تصورات کا خلاصہ یُوں بیان کیا گیا ہے:

"تمام مذہبی فلسفوں کا یہی نچوڑ ہے یعنی بھگوان نے نہیں امیر یا غریب پیدا کیا اور اس لیے لوٹنے والے طبقوں کو پُورا حق ہے کہ لوٹے۔ غریب طبقوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ احتجاج کریں، منظم ہوں اور لوٹنے والے طبقہ کے خلاف آواز اٹھائے۔ اس کا تختہ اُلٹ سکے۔ طبقہ واری سماج کا مذہب حاکم طبقہ کا سب سے بڑا پشت پناہ بنتا ہے۔" (صفحہ ۴۰)

ان خیالات کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ خدا کے بارے میں پاکستان کے اندر غریبوں کے "ہمدرد" اور دکھی انسانیت کے "بہی خواہ" کس قسم کے خیالات پھیلا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک خدا کوئی قائم بالذات ہستی نہیں بلکہ انسانی جہل کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح اللہ پر ایمان محض قدرت کی بالادستی کے سامنے انسان کی عاجزی، بے چارگی اور درماندگی کا اعتراف ہے۔ خدا محض واہمہ ہے۔ نوعِ انسانی جب کائنات کے اسباب و اثرات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم کو جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہُوا ہے، سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے تو وہ مجبوری کے عالم میں ایک بلند و بالا ذات کو تسلیم کر لیتی ہے۔ مگر جوں جوں انسان کا علمی افق وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ قوانین طبیعی کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، اُس کے دل و دماغ سے خدا کے وجود کے بارے میں مختلف توہمات خود بخود ختم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جو نظریۂ حیات خدا کے اعتقاد کو جہل اور لاعلمی کا نتیجہ قرار دے اس میں آخر کسی ایسی قادرِ مطلق ذات پر ایمان کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے جس سے ہم اس زندگی میں رہنمائی حاصل کریں اور اس کی

رضا جوئی کو اپنی زندگی کا مقصود و مطلوب قرار دیں۔

خدا کے بارے میں اس باطل نظریہ کی بنیاد پر ان لوگوں نے مذہبی عقائد اور ایمانیات پر بھی بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں توحید بھی ایقان کی آخری منزل نہیں بلکہ عارضی مقام ہے، کیونکہ جب انسان کے سامنے فطرت کے سارے اسرار و رموز کھل جائیں گے تو اُسے معلوم ہو گا کہ ایک خدا کا وجود محض فریب نظر ہی تھا:

"مذاہب کی ترقی کا سب سے بڑا اور آخری زینہ وحدانیت کا تصور ہے اصنام پرستی میں عقیدت بٹ جاتی ہے۔ اعتقاد کی پختگی اور اعتماد اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ مرکز ایک ہی ہو۔ وحدانیت کے تصور نے سماج کے ارتقاء کے ساتھ آہستہ آہستہ ترقی کی۔ ابتداءً کئی دیوتاؤں میں ایک کو سردار بنایا جانے لگا جس کی مثال قدیم یونان، بابل اور مصر میں ملتی ہے اور بعد میں چل کر سردار اتنی اہمیت حاصل کر لیتا ہے کہ عبادت کا مرکز بھی رہ جاتا ہے وحدانیت کا ترقی یافتہ سب سے پہلا تصور زرتشت نے آٹھ سو سال قبل مسیح میں پیش کیا۔ اس کی بنیاد انہوں نے ساری کائنات کے ایک مکمل تصور پر رکھی اور اس کا مرکز ایک ایسی قوت کو بنایا جس کے اقتدار میں ساری کائنات ہے۔ اسی طرح ہندو مذہب میں بھی یہ تصورات ترقی پاتے ہیں کہ تمام دیوتاؤں کے پیچھے ایک مشترکہ قوت ہے اور یہ تمام دیوتا حقیقتاً ایک عالمگیر قوت کے علمبردار ہیں۔ ایسے ہی تصورات چین اور ایران میں ملتے ہیں۔ بعد کے زمانے میں اس کی ترقی یافتہ شکل عیسائیت اور بعد کے مذاہب میں ملتی ہے۔ بربری نظام میں ایک ملک کے باشندے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور اس لیے وہاں خدا بھی کئی ہوتے تھے۔ جاگیرداری نظام میں ایک بادشاہ کے تحت مرکزیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ایک دیوتا یا خدا کا تصور بھی ترقی پاتا ہے۔

ترقی یافتہ مذاہب میں ایک خصوصیت اشتراکیت کی پائی جاتی ہے (باقی صفحہ ۷۶ پر)